Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

اردو ادب میں تانیثی شعور کے بنیادی مباحث۔۔۔۔ تجزیاتی مطالعہ

وسیم ارشد
معاون شعبہ اُردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور
شہرام ارشد
ایم۔فل اُردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور
صداقت علی عمرانی
پی ایچ۔ڈی اسکالر شعبہ اُردو، مسلم یوتھ یونیورسٹی، اسلام آباد

Abstract:

Mercy, sacrifice, selflessness and loyalty are the jewels of a woman. The system of the universe is running from such contradictions of nature. Freud's theory that man is a complete being and woman is learned has been rejected. Rather, a woman has scientifically based it has rejected and said that woman is a complete being and man is learned.

Keyword:

ڈاکٹر مبارک علی، رضیہ سلطانہ، الزبتھ، کیتھوائن، ٹرسیا، بے نظیر بھٹو، رنجیت سنگھ، آئین اکبری

ہماری ساری تاریخ مردوں کی تاریخ ہے۔یہ عورت کے وجود کی تاریخ نہیں ہے لیکن عورت کا وجود کہاں سے کہاں تک تشکیل پاتا رہا ہے اس کے بارے تاریخ میں عورت کا یہ ذکر ملتا ہے کہ اس نے صرف اپنی اداؤں سے مردوں کو اکسایا ہے۔انھیں اپنی طرف مائل کیا ہے۔لیکن تاریخ ہمیشہ ایک جیسی نہیں رہی۔عورت اور مرد کا موضوع ہمیشہ متنازع فیہ رہا ہے۔عورت کا تاریخ میں کوئی وجود نہیں ہے۔اس کی ذات گمنام اندھیروں کا سپاہی ہے۔اس نے تاریخ میں کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا ہے۔اپنے مرتبے اور سماجی حیثیت سے گرتی گئی۔عورت مرد کے مساوی کبھی نہیں رہی۔عورت کے وجود کے بارے میں ایک جرمن خاتون کا قول، جسے ڈاکٹر مبارک علی نے اپنی کتاب ''تاریخ اور عورت'' میں نقل کیا ہے:

''میری تاریخ کی کتابیں جھوٹ بولتی ہیں۔وہ کہتی ہیں کہ میرا وجود نہیں تھا۔''(1)

عام طور پر یہ نظریہ منظرِ عام پر مقبول رہا کہ تاریخ کو ہمیشہ مرد حضرات ہی پروان چڑھاتے ہیں۔اگر مرد نہ ہوں تو تخلیق کا عمل ہی رک جائے بلکہ تاریخ میں کوئی مثال بھی موجود نہ ہو۔مرد ہی فاتحین ہیں مرد ہی پیغمبر ہیں۔ مردوں نے تاریخ کے رخ بدلے ہیں۔مرد کو حاکم

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

بنا کر پیش کیا جاتا ہے وہ کبھی ایک جابر اور جنس کا بھوکا نظر آیا ہے۔عورت کو صرف جسم ہی سمجھنے والا۔لیکن انسانی تصورات ٹوٹتے اور بنتے رہے۔رسم و روایات میں تبدیلی کبھی فطری عوامل کے زیرِاثر جنم لیتی ہے۔تہذیب بنتی اور ٹوٹتی رہے گی۔انسان کا یہ سفر جاری و ساری رہے گا۔انسانی زندگی کا یہ پانچ لاکھ سالہ سفر عورت اور مرد کا مرہونِ منت ہے۔اس انسانی سفر میں مرد اور عورت ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔انسان کی پیدائش سے لیکر اب تک مرد اور عورت ساتھ ساتھ ہیں۔لیکن مرد کا تسلط معاشرے پر ہمیشہ سے قائم ہے۔عورت کی سماجی حیثیت تاریخ میں کیا تھی اس کے بارے میں ڈاکٹر مبارک علی رقم طراز ہیں:

> ''تاریخ کے وجود میں آتے آتے انسانی معاشرے پر مرد کا غلبہ ہو چکا تھا اور عورت کی سماجی حیثیت گر چکی تھی اور عورت مرد کے مساوی نہیں رہی تھی۔''(2)

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تاریخ کے اس سفر میں عورت کے وجود کو کبھی تسلیم ہی نہیں کیا گیا۔یہاں تک اس کو انسان بھی نہیں سمجھا۔عورت صدیوں کے سفر کے بعد بھی آج بھی اسی جگہ پر کھڑی ہے۔

تاریخ پر نظر دوڑائیں تو واضح طور پر نظر آتا ہے کہ پہلے پہل انسان جنگلوں اور غاروں میں پناہ گزیں تھا۔جھونپڑیوں میں رہتا تھا۔آہستہ آہستہ تبدیلی کا عمل شروع ہوا۔انسان جنگلوں اور غاروں سے نکل کر قبائل اور خاندانی روایات میں تقسیم ہونے لگا۔اس نے زندگی گزارنے کے کچھ قوانین بنا لیے۔تہذیب کو متعارف کروانے لگا۔یہ قدیم تہذیب انسان کی پیدائش سے جنم لینے لگی۔ماں کی شناخت بچے سے اور بچے کی شناخت ماں کے تصور سے ہونے لگی۔آغاز سے مادر سری کا نظام موجود تھا۔مادر سری نظام میں ماں کی حیثیت مسلم تھی اور مرکزیت حاصل تھی۔پہلے پہل عورت خود بارات لیکر مرد سے نکاح کرنے جاتی تھی۔عورت کے حقوق اور اس کی حیثیت کے حوالے سے اگر تاریخ یا پھر کسی قدیم تہذیب کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ عورت کی حیثیت مرد کی نسبت آغاز میں مستحکم تھی۔عورت کا سب سے پہلا روپ ایک ''دیوی'' کا روپ تھا اور مرد اس کا پجاری تھا۔عورت کا یہ تصور مختلف تہذیبوں میں مختلف رہا ہے۔اس طرح اس کو مختلف ادوار میں مختلف ناموں سے بھی پکارا جاتا رہا ہے۔مصر میں اس کو ''آئسن'' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔چین میں اسے ''شین'' اور ایران میں اسے ''اناہنا'' کہا جاتا تھا۔آریہ میں اسے اوشا عراق میں عشنار۔ہندوستان میں ورگاہ، کالی ماتا، یاربیتی اور امبا دیوی کے نام سے معروف رہی ہے۔برصغیر میں مسلم تہذیب میں بنتِ حوا کے معزز نام سے اس کا پکارا گیا ہے۔سومیری تہذیب میں عورت کا باوقعت مقام صرف اور صرف بیوی کے روپ میں تھا، اس روپ میں وہ دل کے قریب ہوتی ہے۔لیکن بیوی کے روپ میں اس کا پاکیزہ ہونا بھی ضروری تھا۔اپنے مرد کے سوا کسی دوسرے مرد کی طرف دیکھنا اس کے لیے گناہ تھا۔تہذیب جیسے جیسے ارتقائی عمل سے گزرنے لگی تو مادر سری کا غلبہ زوال پذیر ہونے لگا۔پدر سری کا رواج ہوا۔مرد نے اپنی حیثیت کو پہنچانا۔عورت کا مرتبہ کم ہو گیا۔اب ہر برائی اور گناہ عورت سے منسوب ہونے لگا۔عورت کو مرد اپنی جاگیر گردانے لگا۔اس کو مفتوح کیا جانے لگا۔ابتدائی دور میں جنگ و جدل کے بعد عورت کو اسیر بنا کر لایا جاتا۔پھر آہستہ آہستہ دوستی کا

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

معاہدہ ہونے لگا اور تعلقات میں بہتری لانے کے لیے شادی بیاہ کے ذریعے اس کو جہیز و سامان کے ساتھ لایا جانے لگا۔اس طرح قبائل کے درمیان باہمی مفاہمت ہونے لگی۔لیکن اس پورے عمل میں عورت کی مرضی شامل نہ تھی۔اسے شوہر کے تابع رہنا پڑتا تھا۔مرد فاتح بن کر اس کا استحصال کرتا تھا۔ڈاکٹر مبارک علی رقم طراز ہیں:

> ''اس کا المیاتی پہلو یہ ہے کہ مرد اپنی مردانگی عورت کی عصمت دری کر کے اپنی مردانگی اور فتح کو ثابت کرتے تھے۔یہ مرد کی اجتماعی نفسیات کا حصہ نہیں،انفرادی طور پر مثالیں ہیں۔''(3)

فتح کے بعد یہ خوشی منائی جاتی کہ عورتیں گرفتار ہو کر لائی گئی ہیں اور پھر ان کی تقسیم کیا جاتی۔خوب صورت لڑکیاں بادشاہوں اور امرا کے لیے ہوتی تھیں جب کہ باقی عورتوں کو سپاہیوں کو دے دیا جاتا۔مالِ غنیمت کے طور پر بھی اس کو تقسیم کیا جاتا تھا۔جنسی استحصال کے بعد عورت جس کو مرضی دے دی جاتی تھی۔عورت کو تاریخ میں جنگ اور بزدلی کی علامت سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ہر طرح کی برائی اس سے منسوب کی جاتی تھی۔عورت پر یہ الزام تھا کہ اس نے حضرت آدمؑ کو جنت سے نکلوایا تھا۔paradise lost میں ملٹن نے اس کو مورودِ الزام ٹھہرایا۔تاریخ میں اگر عورت کی کوئی حیثیت یا مقام تھا تو پھر صرف اس وقت جب وہ ماں تھی۔ماں کی حیثیت سے صرف اس کا اصل مقام تسلیم کیا گیا۔ماں کا قدیم تہذیب میں اگر مقام ہے تو وہ مصری تہذیب میں ہے۔مصری تہذیب میں تمام دانشور اپنی تعلیمات میں یہ حکم دیتے ہیں کہ اپنی ماں کو خوراک اپنی خوراک سے دگنی دے۔اس نے جس طرح تجھے خوراک دی اسی طرح خوراک دے۔تین برس تک اس نے تجھے دودھ پلایا۔تیرے وجود کو پروان چڑھایا۔مصر کی قدیم تہذیب پر اگر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک طویل عرصے تک مصر میں عورت کی حکومت رہی۔مرد حکمران ہوتا تھا عورت باقی امور کو سنبھالتی تھی۔تخت نشین نہیں ہو سکتی تھی۔تاریخ میں عورت حکمران، ملکہ، وزیر اعظم بھی رہ چکی ہے۔ہندوستان میں ملکہ رضیہ سلطانہ،انگلستان میں الزبتھ،روس میں کیتھوائن،آسٹریا میں ٹرسیا،پاکستان میں بے نظیر بھٹو صاحبہ۔طبقاتی تقسیم ہر عہد میں ملتی ہے۔عورتوں کو بھی دو طبقوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک طبقہ معزز خواتین کا تھا دوسرا نمبر غیر معزز کا۔معزز خواتین کو اپنی اقدار کا لحاظ ہوتا تھا۔غیر معزز طبقہ اپنے حکمران طبقے اپنے سیاسی و معاشی مفادات کو پورا کرتے تھے۔وہ جسمانی لذتوں کی پرورش بھی کرتا تھا۔اس کے علاوہ وہ اپنی خوب صورت اداؤں سے حکمرانوں کو قابو کرتے تھے۔اس طرح عورت اقتدار کی ہوس رکھنے والی اور لوگوں کو گمراہ کرنے والی نظر آتی۔الغرض عورت کو برائیوں کی جڑ سمجھا جانے لگا۔مصری تہذیب کے بعد یونانی تہذیب کا جب مطالعہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کو سماجی طور پر برتری حاصل تھی۔عورت کو علم و دانش کی علامت سمجھا جاتا تھا لیکن عورت کو شادی کی اجازت نہ تھی۔نکاح کے بغیر جس طرح چاہتی جنسی تعلقات جس کے ساتھ مرضی رکھ سکتی تھی۔مبارک علی رقم طراز ہیں:

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

''اس طرح تاریخ میں عورت کا جو مجموعی تاثر بنتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کی اپنی علیحدہ ذات نہیں، وہ تاریخ میں محض ایک شے کی مانند ہے جسے مرد نے اپنی خواہشات و مفادات کے تحت استعمال کیا۔''(4)

یونانی تہذیب کے بعد رومی تہذیب میں ارتقاء کا آغاز ہوا۔ رومی تہذیب میں عورت کو مکمل آزادی حاصل تھی۔ اسے ہر طرح کی جنسی آزادی حاصل تھی لیکن عورت کو شادی بیاہ میں قطعی دلچسپی نہ تھی۔ اس کے باوجود وہ گھر میں قید نہیں تھی۔ اس کے مرد کو یہ کہا جاتا تھا کہ وہ عورت پر نظر رکھے ورنہ وہ بے کار عادتوں کا شکار ہو جائے گی۔ اسے اپنے ہاتھ سے کھانا کھلایا جائے ورنہ وہ زیادہ کھائے گی۔ عورت کی سماجی حیثیت یہودیت اور عیسائی مذہب میں بالکل گر چکی تھی۔ عورت کو تعلیم کی آزادی ہر گز نہیں تھی۔ آیئے تورات کی تعلیمات پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ بقول مبارک علی:

''توریت میں شوہر سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے خطاب کرے جیسے آقا غلام سے اور بادشاہ رعیت سے کرتا ہے۔ شوہر کو یہ اختیار تھا کہ وہ جب چاہے بیوی کو طلاق دے دے۔ مگر عورت کو مرد سے علیحدگی کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ اگر عوت بے وفائی کرے تو اسے سنگین جرم سمجھا جاتا تھا۔ اس پر زنا ثابت ہو جاتا تو اسے سنگسار کر دیا جاتا تھا۔''(5)

یونانی تہذیب رومی تہذیب سے گری ہوئی نظر آتی ہے۔ ابتدائی دور میں عورت کو آزادی حاصل تھی اور اس کی سماجی حیثیت بھی تھی لیکن بعد میں اچانک اس کی حیثیت معدوم ہوتی چلی گئی۔ عورت گھر میں قید ہو کر رہ جاتی ہے۔ شادی کے بعد اس کی کوئی حیثیت نہ تھی، شوہر کے گھر کے علاوہ کسی اور گھر میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ والدین کے گھر جانے کی اسے اجازت نہیں تھی۔ والدین سے شادی کے بعد رشتہ رکھنا پسند نہیں کیا جاتا تھا۔ رومی تہذیب اور یونانی تہذیب ایک جیسی تہذیبیں ہی سمجھی جاتی ہیں۔ رومی تہذیب میں عورت کو سب سے سستی جنس سمجھتے تھے، عورت کا کام مصرف اور صرف بچے پیدا کرنا تھا۔ عورت کم از کم 5 بچے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ اگر بچہ پیدا نہ ہوتا تو اس کو موردِ الزام ٹھہرایا جاتا۔ اس کی عمر 14 سال ہوتی تھی۔ رومیوں کی تہذیب کے بارے میں مولانا مودودی اپنی کتاب ''پردہ'' میں لکھتے ہیں:

''عورتوں اور مردوں کے برسرِ عام غسل کرنے کا رواج بھی اس دور میں عام تھا۔ رومی لٹریچر میں فحش اور عریاں مضامین بے تکلف بیان کیے جاتے تھے اور عوام و خواص میں وہی ادب قبول ہوتا تھا جس میں استعارہ و کنایہ کا پردہ نہ رکھا گیا ہو۔''(6)

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

یہودیت میں عورت کی ترغیب دینے والی سمجھی جاتی تھی۔یہودی گھرانے میں مرد کی حکومت باپ کی حیثیت سے تھی۔وہ چاہتا تو بچوں کو زندگی عطا کر دیتا ورنہ ان کی قربانی دے سکتا تھا۔اگر بہو زنا کی مرتکب ہو جاتی تو وہ اسے زندہ جلا سکتا تھا۔اپنی بیٹیوں کو فروخت کرنے کی مکمل آزادی تھی۔اگر باپ مر جاتا تو یہ کام بھائیوں کو سپرد کیا جاتا تھا۔یہودی گھرانے میں عورتوں کو وراثت میں کوئی حق حاصل نہیں تھا۔غلاموں اور کنیزوں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔یہودی مرد کی یہ دعا ہوتی تھی کہ ''خدا تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے عورت نہیں بنایا۔''

عیسائیت میں مذہبی لحاظ سے عورت کو مرد پر کوئی فوقیت نہیں تھی۔ان کا خیال ہے کہ عورت کو مذہبی جلسوں سے دور رکھنا چاہیئے۔ان کا خیال ہے اس طرح کی مجالس ان کو بے حیا بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ان کے بارے اسی بات کو مبارک علی نے اپنی کتاب ''تاریخ اور عورت'' میں کچھ اس طرح نقل کیا ہے:

> ''عورتوں کو مذہبی علماء اور پیغمبروں کی زندگیوں کے حالات پڑھنا چاہیئں۔بائبل سے تاریخ واخلاقی واقعات اس کو نہیں بھولنا چاہیئے کہ سینٹ پول نے بلاوجہ عورتوں کو چرچ کے عہدوں سے محروم نہیں کیا تھا۔اس لیے عورت کو چاہیئے کہ وہ خود کو شوہر کی رعیت سمجھے،خاموش رہے کیوں کہ اس میں اس کی روحانی اور جسمانی بھلائی ہے۔''(7)

اس کو یہ باور کروایا گیا کہ وہ تمام برائیوں کی جڑ ہے اور وہ اس قدر شرمندہ رہنے لگی کہ بناؤ سنگھار سے بھی اس کی دلچسپی ختم ہونے لگی۔عیسائیت کے مذہبی عقیدے میں عورت کو سر نگار رکھنے سے منع کیا گیا۔ان کے ذہن میں یہ بات آج بھی موجود ہے کہ عورت شیطان کے بہکاوے میں آئی تھی اور پھر آدم نے اس کا ساتھ دیا۔اسی لیے عیسائیت میں عورت کو آج درخور اعتنا سمجھا جاتا ہے۔عورت اور مرد کے تعلق کو ناپاک سمجھا جاتا ہے۔پادری بننے کے لیے غیر شادی شدہ رہنا ضروری قرار دیا جاتا ہے۔اگر کوئی عورت مذہبی پیشوا بننا چاہتی ہے تو پھر تاحیات کنوارہ رہنا ہو گا۔یہ ہی شرط مرد کے لیے بھی رکھی جاتی ہے۔اس طرح رہبانیت کو فروغ ملا۔عورتیں آہستہ آہستہ مذہبی مجالس سے دور ہوتی چلی گئی۔عورت کو مذہب کی بنیاد پر اور بھی گھٹیا بنا کر پیش کیا گیا۔اس کے ذمہ صرف اور صرف تخلیق کا کام سونپا گیا۔اس معاملے میں بھی بچے کو سکھایا گیا کہ وہ ماں کی نسبت صرف باپ سے محبت رکھے۔عیسائیت اور یہودیت دونوں مذاہب مرد اور عورت کے تعلقات صرف اس حد تک جائز قرار دیتا ہے کہ ان تعلقات کا مقصد صرف بچے پیدا کرنا ہو۔جنسی طور پر مسرت حاصل نہ کی جائے۔عورت پہلے ہی گناہ کی علامت سمجھی جاتی ہے۔اس لیے اگر وہ مرد کی رفاقت میں آسودگی حاصل کرے گی تو پھر وہ مرد کے دل کے قریب ہوتی چلی جائے گی۔مرد اگر عورت کی صحبت میں زیادہ وقت گزارے گا تو عورت اس کو ناپاک کر دے گی۔ناپاکی کی وجہ سے وہ کوئی مذہبی فریضہ سرانجام نہیں دے سکے گا۔پہلے ہی حوا کی محبت نے آدم کو جنت سے نکال کر زمین کے سپرد کر دیا۔ڈاکٹر مبارک ''تاریخ اور عورت'' میں مزید لکھتے ہیں:

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

''مرد کو اپنی برتری کے باوجود اس کو نہیں بھولنا چاہیئے کہ عورتوں میں گناہ کی طرف جانے کی کمزوری زیادہ ہوتی ہے۔''(8)

آج کے موجودہ عیسائیت کے مذہبی اور روحانی پیشوا عورت کو لکھنے اور پڑھنے سے محروم کر رہے ہیں۔چرچ کے رہنماؤں نے ارسطو کے نظریات کو اپناتے ہوئے عورت کو کمتر ثابت کرنے کے لیے یہ دلیل دی کہ مرد مکمل تخلیق ہے اگر مرد کی تخلیق میں کوئی کمی رہ جائے تو وہ عورت بن جاتا ہے۔عورت میں نا تو عقل ہے اور نہ ہی وہ جسمانی طور پر اتنی طاقت رکھتی ہے کہ کسی جنگ میں شمولیت اختیار کر سکے۔

دوسری تہذیبوں کی طرح ہندوستانی تہذیب کا آغاز بھی مدر سری نظام سے ہوتا ہے۔ہندوستان کی قدیم ترین تہذیب دراوڑ کی تہذیب تھی۔دراوڑ میں عورت کو عزت اور مقام حاصل تھا۔وہ آزاد تھی وہ اپنی مرضی کی مالک تھی۔ہندوستانی تہذیب کا آغاز آریاؤں کی تہذیب سے ہوتا ہے۔اس تہذیب میں بھی عورت کا ویسا ہی تاثر ابھرتا ہے جیسا کہ دیگر تہذیبوں میں تھا۔اس تہذیب میں بھی عورت مرد کے تابع تھی۔لیکن بعض کتابوں میں یہ تذکرہ ملتا ہے کہ یہاں مادرانہ نظام قائم تھا۔آہستہ آہستہ مادرانہ سفر پدرانہ کی طرف جاری رہا۔پہلے عورت دیوی تھی جس کی پوجا کی جاتی تھی پھر اس تصور نے کروٹ لی اور مرد دیوتا کے روپ میں سامنے آیا۔عورت کی شخصیت ختم ہو گئی۔اس نے اپنی ذات کو مکمل طور پر مرد کی ذات میں ضم کر لیا۔اس کی تمام اقدار ختم ہو گئیں تھیں۔وہ اپنی مرضی سے مرد سے تعلق قائم نہیں کر سکتی تھی۔

مرد اور عورت معاشرتی طور پر برابر تھے۔لیکن بعض ادوار میں عورت کا ہی راج تھا۔یہ وہ دور تھا جس کو مادرِ کائنات کا دور کہا جاتا تھا۔لیکن مرد نے شک کی بنا پر عورت کو گھر کی چار دیواری میں محدود کرنا شروع کر دیا۔آہستہ آہستہ اس کا دماغ کمزور ہوتا چلا گیا۔یہ مرد کی صرف ایک چال تھی، عورت کو ذہنی طور پر مرد کا کھلونا بنا دیا گی۔جسمانی طور پر کھیتی بنتی گئی۔جس کا مقصد صرف پیدا کرنا تھا۔اس بات کی مزید وضاحت ڈاکٹر مبارک علی کی کتاب ''تاریخ اور عورت'' میں اس قول کی نقل سے ہوتی ہے:

'' پہلے عورتیں گھروں میں بند ہوتی تھیں اور شوہر اور رشتے داروں کے ماتحت ہوتی تھیں۔۔وہ آزادی سے جہاں جانا چاہیں جا سکتی تھیں اور پوری طرح لطف اندوز ہوتی تھیں۔وہ اپنے شوہروں کی وفادار نہیں تھیں۔مگر انھیں گناہ گار نہیں سمجھا جاتا تھا۔کیوں کہ یہ اس وقت کا رواج تھا۔''(9)

آریاؤں کے ہاں مظاہر پرستی عام تھی۔جادو، حیوان پرستی اور شجر پرستی بھی اہم تھی۔ہندو دھرم چونکہ برہمنوں کا قائم کردہ مذہب تھا۔مہابھارت کے زمانے تک آتے آتے ہندو معاشرے میں عورت کی سماجی حیثیت بالکل کم رہ گئی۔جب نئی تہذیب میں مرد برسرِ اقتدار آئے تو انھوں نے کمسن لڑکیوں سے شادیاں کیں۔کئی رسموں کے نام پر عورتوں کو قربان کیا۔پروہتوں نے غلط انداز سے عورت کی تذلیل کی۔لیکن ہندوؤں کی مقدس کتاب ''رگ وید'' میں عورتوں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم ملتا ہے۔اس کتاب میں ستی کی رسم کے بارے میں

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

کوئی اشارہ موجود نہیں ہے۔ درمیانے دور میں ستی کی رسم بہت عام ہو چکی تھی۔ جیسے ہی کسی عورت کا شوہر مر جاتا تو اس کو جینے کا حق نہ دیا جاتا تھا۔ ستی کے معنی پاک ہونا تھا۔ ویدک دور میں کچھ شواہد ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو شوہر کے ساتھ ہی جلا دیا جاتا تھا۔ یہ رسم آخری ویدک میں تھی۔ ہندوؤں کی مقدس کتاب ''رگ وید'' اور منو سمرتی میں ستی کا حکم موجود نہیں ہے۔ اس کی سماجی زندگی کا عمل شوہر کی وفات کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا تھا۔ شوہر کی وفات کے بعد عورت کو سفید لباس تاعمر پہنے رہنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ اس کے سر کے بال اسی وقت کاٹ دیئے جاتے تھے۔ ستی کی رسم کا آغاز کب ہوا اس کے بارے میں مبارک علی لکھتے ہیں:

> ''ستی کی پہلی یادگار 510ء میں مدھیا پردیش کے شہر اران میں ملتی ہے۔ ستی کی رسم کے پیشِ نظر عورت کی سماجی حیثیت ابھر کر آتی ہے۔ آہستہ آہستہ اس کی اپنی ذات اور اس کی شناخت ختم ہو جاتی ہے۔''(10)

اس طرح ہندوؤں میں ایک قبیلہ راجپوت تھا۔ جہاں یہ رسم تھی کہ جیسے ہی شوہر فوت ہو جاتا تو فوراً اس کی آنکھ میں سرمہ لگایا جاتا تھا تاکہ وہ رو نہ سکے۔ اگر اس کی آنکھ سے آنسوؤں کی وجہ سے سرمہ پھیل جاتا تو پھر اس کو ''بے شرم'' کہا جاتا جو شوہر کے لیے روتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کا جنازہ بہت دور رکھا جاتا تھا کہ اب وہ اپنے شوہر اور شوہر اس کے لیے حرام ہو چکا ہے۔ وہ اس کی چارپائی کے سرہانے بیٹھ کر رو نہ سکے۔ رنجیت سنگھ کے مرنے کے پر اس کی بیگمات اور سات کنیزیں اس کے ساتھ ستی ہو گئیں۔ ستی ہونے والی خاتون کو دلہن کی طرح سنوارا جاتا اور وہ بن سنور کر باجے جلوس کے ساتھ حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے رخصت ہو جاتی تھیں۔ ابوالفضل نے ''آئینِ اکبری'' میں ستی کے بارے میں لکھا ہے:

> ''ستی کی چار قسمیں ہیں۔ پہلی وہ کہ شوہر کی موت کے غم میں بے ہوش ہو جاتی اور اس کے رشتے دار اسے آگ میں جلا دیتے تھے۔ دوسری وہ عورتیں جو اپنے شوہر سے بے پناہ محبت کرتی ہیں اور خوشی خوشی جلنے کے لیے تیار ہو جاتی ہیں۔ تیسری وہ قسم ہے جس میں رسم و رواج کے دباؤ میں جل جاتی ہیں اور کوئی مزاحمت نہیں کرتی ہیں۔ چوتھی صورت میں خاوند کے خاندان والے زبردستی جلا دیتے ہیں۔''(11)

رگ وید اور منو سمرتی کے بعد مرد کا اثر و رسوخ سماجی طور پر بڑھتا چلا گیا۔ مذہبی کتب میں عورت کی تذلیل میں اضافہ ہوتا گیا۔ ہندومت میں جتنی مذمت عورت کی کی گئی ہے کسی اور مذہب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ہندو مذہب میں مرد اپنے لیے جو چاہے جیسا چاہے راستہ نکال سکتا ہے جب کہ عورت صرف اپنے مرد کے لیے مخصوص ہے۔ مرد عورت کو جوئے میں بھی ہرا سکتا تھا۔ ایک عورت کے کئی شوہر

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

ہوتے تھے۔بیوہ ہونے کی صورت میں عورت ہر لذت سے محروم ہو جاتی تھی۔اگر شوہر سے اولاد نہ ہوتی تو پھر کسی دوسرے مرد سے جنسی تعلق قائم کر سکتی تھی۔شادی کا مقصد صرف اولاد پیدا کرنا تھا۔

اکادی اور بابلی مذاہب حمولابی تہذیب کے پیروکار تھے۔ان کے ہاں موسموں کے تہوار منانا،دیوی دیوتاؤں کی شادی کرنا عام تھی۔نوجوان عورتیں پردیتوں کی دیکھ بھال پر معمور تھیں۔تاؤمت ماننے والے انسان کو کائنات کا ایک جز سمجھتے تھے۔پردیتوں کو برہمن کا نام دیا گیا تھا۔

عیسائیت مذہب نے عورت کے خلاف ایک نفرت کو فروغ دیا۔زیادہ تر رہبانیت اور تارکِ دنیا کا درس دیا۔انھوں نے یہ درس دیا کہ عورت کے تصور کو ذہن سے نکال دیا جائے کیوں کہ عورت اس کی عبادت میں خلل ڈالتی ہے۔لیکن اس بات کا بھی اقرار کرتے تھے کہ عورت مرد کی روحانی مبلغ ہوتی ہے لیکن اگر عورت مرد کو چرچ کے پاس ملے گی تو وہ اس کی جانب راغب ہو گا۔وہ اس کو اپنے دام میں پھنسالے گی۔عیسائیت نے راغب خانے قائم کر کے عورتوں کی حالت کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن راغب خانے ان کی نیکو کاری اور پرہیز گاری کی علامت نہ بنے۔کچھ نے عورتوں سے اس قدر بے زاری کا اظہار کیا کہ ان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بھی نہ کھاتے۔ان کے نزدیک عورت نے سب سے پہلے فتنہ پھیلانے کا آغاز کیا۔روئے ارضی پر اتارنے والی عورت تھی اور پھر سب سے پہلا قتل کروانے والی بھی یہ عورت ہی تھی۔ سید علی ہجویری عورت کے فتنہ ہونے کے بارے میں تفصیل سے بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''حضرت آدم کے لیے جو پہلا فتنہ مقدر ہوا وہ ایک عورت ہی کا فتنہ تھا اور ہابیل و قابیل کے لیے جھگڑے کی صورت میں جو پہلا فساد دنیا میں نمودار ہوا وہ بھی ایک عورت ہی کی وجہ سے تھا اور جب یاروت اور ماروت کو اللہ تعالیٰ نے سزا دینی چاہی تو اس کا سبب بھی ایک عورت ہی تھی۔''(12)

جیسا کہ یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کرہ ارضی پر انسانوں کو آباد کرنا تھا،اس لیے آدم سے دانستہ غلطی ہونا ایک فطری عمل تھا۔آدم بھی ورغلایا گیا محض حضرت حوا کو اس غلطی کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔اس بات کو بیان کرنے کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ عورت اکیلی قصوروار نہیں ہوتی۔عورت کو جس کو حوا کے نام سے موسوم کیا ہے مرد کی بائیں پسلی سے پیدا کیا گیا ہے۔بائیں طرف چونکہ دل ہوتا ہے اور دل میں صرف قربت پیدا کرنے کے لیے اس حصے سے سے پیدا کرنا تھی۔توریت میں اس بات کو اس طرح پیش کیا گیا ہے جس کا خلاصہ کچھ اس طرح سے ہے کہ خداوند نے آدم پر پیاری نیند بھیج دی کہ وہ سو گیا۔اس نے اس کی پسلیوں میں سے ایک عورت نکالی جس کو آج ہم حوا کے نام سے جانتے ہیں۔جب آدم نے اپنے قریب اس قدر خوب صورت عورت کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور ان کے دل میں ان کے لیے قربت پیدا ہوئی۔کشور ناہید کے خیال میں عورت کی غلطی کی وجہ سے حضرت آدم جنت سے نہیں نکالے گئے تھے بلکہ دونوں سے ہی غلطی سرزد ہوئی تھی۔عورت اور مرد دونوں مساوی حقوق رکھتے ہیں۔اس حوالے سے کشور ناہید لکھتی ہیں:

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

''حوا نے اپنی کہانی کسے سنائی تھی! آدم کو۔۔۔۔اس نے تو مشہور کر دیا، میں اس کی پسلی سے نکلی تھی۔ خدا کو اس کی کتابوں نے مجھے ورغلانے والی اور مجازی خدا کو سجدہ کرنے والی بنا دیا۔ زمین کو اس نے خود کو آنگنوں میں تقسیم کیا اور بے تابی کرنے والیوں کے بے نام بدن اس کی کوکھ میں اترتے گئے۔''(13)

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمیں دیکھنا ہو گا کہ مختلف تہذیبوں میں عورت کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا یا رکھا جا رہا ہے آیا وہ مسائل عورت کے خود ساختہ ہیں یا پھر معاشرے کی ریاضتوں کا نتیجہ ہے۔ تاریخ کے آئینے میں اور مختلف تہذیبوں کے تناظر میں تمام تبدیلیوں کا جائزہ لینا ہو گا اور ان کے استحصال کی اصل وجوہ کو تلاش کرنا ہو گا۔ تمام وجوہ تلاش کرنے کے بعد ہی اس کا دفاع ہو سکے گا۔ تاریخ پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ لوگ پہلے پہل خانہ بدوشوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ جب شعور آیا تو خاندان اور قبائل میں بٹ گئے ۔ مختلف تہذیبیں پروان چڑھیں۔ مختلف علاقوں میں آباد ہونا شروع ہو گئے۔ کچھ قبائل دریائے نیل، دریائے سندھ، جاپان وغیرہ میں آباد ہو گئے۔ مختلف تہذیبیں وجود میں آئیں جن میں یونانی تہذیب، سومیری تہذیب، عبرانی تہذیب، ہندوستان میں ہڑپا تہذیب وغیرہ۔ ان تہذیبوں میں عورتوں کے مقام بھی مختلف تھے۔ بابلی تہذیب میں عورتوں کے حقوق مردوں کے مساوی تھے۔ بلکہ مرد عورت کے تابع تھے۔ عورتوں کو وراثت میں بھی حق ملتا تھا۔ عورتوں نے مردوں کے ساتھ تمام کاروبار میں بھی حصہ لیا۔ گویا عورت سماجی طور پر متحرک تھی۔ سلائی کڑھائی کھانا پکانا اور دیگر امور اس کی دسترس میں تھے۔ بچوں کی پیدائش کے ساتھ ساتھ ان کی نگہداشت بھی عورت کے سپرد تھی۔ اس کی مزید وضاحت ڈاکٹر مبارک علی اپنی کتاب ''تاریخ اور عورت'' میں کرتے ہیں:

''یہ عورت ہی کا کارنامہ ہے کہ اس نے سب سے پہلے جس جانور کو سدھایا وہ مرد تھا۔ کیوں کہ جب مرد کو چھت ملی تو اس کا ٹھکانہ ہوا، جب وہ شکار کی مہم سے بھوکا، پیاسا، تھکا ہارا واپس آتا ہے تو اسے چھت کے نیچے آرام و سکون اور کھانا ملتا۔ یہ سب عورت کی وجہ سے ممکن ہوا۔''(14)

زرعی معاشرے میں عورت زرخیزی کی علامت تھی۔ بچوں کی پیدائش کو بھی اس کی زرخیزی سمجھا جاتا ہے۔ جس طرح زرخیز زمین زیادہ فصل دیتی ہے۔ اسی طرح عورت کی زرخیزی اس کی کثیرِ اولادی سے منسوب تھی۔ پدرانہ نظام نے برتری اور آمریت کو سماج میں متعارف کروایا۔ مادرانہ نظام نے انسانی مساوات، تقدس، انسان دوستی اور روشن خیالی کو نظام کا حصہ بنایا۔ اس دور میں جو مذہبی عقائد اور روایات پیدا ہوئیں ان میں بڑا درجہ دیویوں اور یونانیوں کو ملا، عیسائیت میں اس کو مریم کے نام سے موسوم کیا گیا۔

تمام دنیا کو اگر عقائد و نظریات کے تناظر میں دیکھا جائے تو چار بنیادی ادیان منظرِ عام پر آتے ہیں اور ان کی راہیں متعین کرنے میں معاون بنتے ہیں۔ ان ادیان میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ یہودیت، عیسائیت اور بدھ مت میں

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

عورت کو کمزور اور کمتر مخلوق سمجھا جاتا ہے۔آج کے موجودہ دور میں عورت کے بارے میں مختلف نظریات، خیالات اور تصورات پائے جاتے ہیں۔ طلوع اسلام سے قبل عورت محض لونڈی تھی۔ عورت کو سرتاپا گناہ قرار دیا جاتا تھا۔یہودی اگر کسی اجنبی کی عزت لوٹ لیتا تو اس پر کوئی گناہ نہیں تھا۔ سوتیلی ماں اور سوتیلے بیٹوں کی آپس میں شادیاں جائز تھیں۔ عورت کو موت سے زیادہ تلخ سمجھا جاتا تھا۔ عیسائیت میں عورت کو نکاح نہ کرنے اور اکیلے زندگی گزارنے کو اللہ اور مسیحی کی خوشنودی قرار دیا جاتا تھا۔ مرد جب چاہتا طلاق دے سکتا تھا۔جب چاہتا اس کو واپس زوجیت میں دوبارہ لا سکتا تھا۔ مرد کی حاکمانہ طبیعت کے باعث عورت پر مکمل اجارہ دری تھی۔ عورت کا ایک قدیم روپ طوائف کی صورت میں متعارف ہوا۔ جس میں عورت جسم فروشی میں آزاد رہتی ہے۔ طوائف کا پیشہ شادی کے لیے ضروری اور فطری سمجھا جاتا ہے۔ اگر طوائف نہ ہوں تو مرد اپنی خواہش پوری نہیں کر سکے گا۔ان کی روایت کب اور کہاں سے شروع ہوئی۔اس کے بارے میں محققین کی مختلف آرا ہیں۔ کشور ناہید کے مطابق:

> ''ایک سروے کے مطابق 5000 طوائفوں میں سے 1441 طوائف، غربت کے باعث اس پیشے کو اپنانے پر مجبور ہوئیں۔1425ء دوشیزگی کھونے کے باعث اس رخ پہ مجبور ہوئیں۔1255 دنیا میں تنہا رہ جانے کے باعث طوائفیت اختیار کرنے پہ مجبور ہوئیں۔''(15)

معاشرے میں یہ تضاد بھی موجود ہے کہ مرد اگر گھنگرو باندھ کر رقص کرے تو وہ عاشق ہے۔اگر عورت گھنگرو باندھ کر رقص کرے تو اسے طوائف کا نام دیا جاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں عورت کو گھر کا زیور سمجھا جاتا ہے۔ عورت بھوک، پیاس برداشت کر سکتی ہے لیکن اپنی حیا کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے باہر نہیں نکلتی۔ عورت گھر کی چار دیواری میں چراغِ خانہ بن کر رہنا پسند کرتی ہے۔ شمع محفل اس کو زیب نہیں دیتا۔ مرد خواہ کتنا بے باک ہو اس کو شرم و حیا کے لبادے میں لپٹی عورت لبھاتی ہے۔ جسم فروشی کا تعلق چونکہ سماج سے ہوتا ہے مرد اپنی طاقت کے بل بوتے پر عورت کو زیر کرتا ہے اور پھر اس سے اپنی خواہش پوری کرتا ہے۔ یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے۔انسان، دو خواہشوں کا زور اوّل سے اسیر رہا ہے۔ پہلی خواہش پیٹ کی تسکین ہے جس کو کسی اچھے انداز سے سیر کیا جاتا ہے۔ جب پیٹ کی آگ بجھ جائے تو دوسری خواہش نفسانی ہوتی ہے۔ یہ خواہش بھی پیٹ بھرنے کے بعد شدت سے انسانی جسم میں شور مچانے لگتی ہے۔ پھر اسی عورت جس میں ادائیں ناہوں اور نہ ہی اس کو اپنی اداؤں سے لبھاتا آتا ہو تو ایسے میں وہ مرد کی جنسی خواہش کو پورا نہیں کر سکتی۔ایسے میں طوائف کی صورت میں عورت اپنے جسمانی رازوں کو مرد پر آشکار کرتی ہے۔ طوائف صرف جسم کا سودا کرتی ہے۔ جذبات و محبت کا نہیں۔ شوہر کبھی بھی اپنی عورت کے ساتھ ویسا سلوک نہیں کر سکتا جیسا وہ باہر کی دنیا میں طوائفوں اور داشتہ عورتوں کے ساتھ رکھتا ہے۔ طوائف کا پیشہ پیسوں کے لیے اور آمدنی بڑھانے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں ایک تاریخی مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ سماجی طور پر عورت ایک طوائف کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ طوائف کی صورت میں عورت مرد کو اپنے تابع رکھ سکتی تھی۔ جب کہ بیوی کی صورت میں وہ خود مرد کے تابع بن کر

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

رہتی تھی۔ طوائف کی صورت میں عورت کا اصل مقصد آزاد صورت میں زندگی بسر کرنا تھا۔ آزادی مرد اور عورت کے درمیان یکساں ہے۔ جب آزادی اور اظہارِ فطرت پر پابندی ہو تو پھر آزادی اپنے اظہار کے لیے کئی راستے نکال لیتی ہے۔ اس طرح عورتوں نے بھی اپنی آزادی کے لیے کئی راستے نکال لیے۔ آہستہ آہستہ وقت کروٹ لینے لگا۔ صنعتی اور جدید صنعتی انقلاب آنے کے ساتھ ساتھ بہت سی سماجی تبدیلیاں بھی رونما ہونے لگیں۔ عورت کی حیثیت کو پہچانا جانے لگا۔ مغربی اقدار میں تبدیلیاں کچھ مثبت سطح پر وقوع پذیر ہونے لگیں۔ عورت کی سماجی حیثیت میں تبدیلیاں آنے لگیں۔ عورت کے بارے دو طرح کے تصورات وافکار جنم لینے لگے۔ ایک تصور مریم پرستی اور دوسرا تصور عورت کی حمایت کا پروان چڑھنے لگا۔ اب یہ نظریہ اس حد تک ترقی پانے لگا کہ عورت کا تحفظ، مرد کی مردانگی اور بہادری سمجھا جانے لگا۔ لیکن ایک مذہب ایسا بھی ہے جہاں عورت کی سماجی حیثیت چودہ سو سال پہلے متعین کی گئی۔

اسلام میں عورت کو جو مقام دیا گیا وہ یقیناً بلند و اعلیٰ ہے۔ لیکن بعض صورتوں میں عورت کو قبل از اسلام اور بعد از اسلام وہ مقام نہ مل سکا جو اسلام نے تفویض کیا تھا۔ اسلام نے سب سے پہلے عورت کو ایک Economical طور پر ایک "Business Partner" کے متعارف کروایا۔ پہلی خاتون سیدہ خدیجۃ الکبریٰ □، جنھوں نے بیوہ ہوتے ہوئے اپنی پسند کے مرد کو شادی کا پیغام بھیجا جسے قبول کر لیا گیا۔ قبل از اسلام جہاں بت پرستی عام تھی۔ وہاں مختلف قبائل میں عورت مختلف قسم کی زندگی بسر کرتی تھی۔ عورت کے لیے کوئی شائستہ صورت موجود نہیں تھی۔ عورتوں کو زندہ درگور کرنا عام رسم تھی۔ کئی اصحاب بھی اس گناہ کا ارتکاب کر چکے تھے۔ نکاح بالجبر کے لیے اسے مجبور کیا جاتا تھا لیکن عورت اب یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اس کے حقوق میں مساوات نہیں ہے۔ ہر معاملے میں اس کی پسند و ناپسند کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ خلع کا حق اس کو تفویض کیا گیا۔ اگر وہ اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو حق مہر کی رقم واپس کر کے خود کو آزاد کروا سکتی ہے۔ بیوہ کو عقد ثانی کا حکم دیا گیا۔ وراثت میں ماں، بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے الگ الگ حصے مقرر کیے گئے ہیں۔ قرآنِ مجید میں پوری ایک سورۃ حقوق و فرائض کی ادائیگی کے لیے اتاری گئی ہے۔ زندگی کے نشیب و فراز میں مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں۔ باہمی اتحاد و تعاون اور یگانگت کی فضا کو آپس میں پروان چڑھاتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ تخلیق کے عمل میں بھی دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ اسی بات کو تانیثیت کی ایک تھیوری میں اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

> "عصمت نے کہا کہ آخر کون سا ایسا کام ہے جو عورت نہیں کر سکتی۔ فراق صاحب بے باکی سے بولے "عورت سب کچھ کر سکتی ہے مگر بچہ پیدا نہیں کر سکتی مگر بچہ پیدا نہیں کر سکتی"۔ عصمت نے "ترکی بہ ترکی جواب دیا" کہ مرد بھی یہ کام اکیلے نہیں کر سکتا اس میں وجہ افتخار کیا ہے؟"(16)

قرآن مجید میں مرد اور عورت کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

> "عورتیں تمھارے لیے لباس ہے اور تم عورتوں کے لیے لباس ہو۔"(17)

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

لباس صریحاً اشارہ ہے ستر پوشی ہے۔ ستر پوشی کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کی خامیوں کو نظر انداز کرنا ایک دوسرے کے عیوب کو چھپانا ہے۔ ایک دوسرے کو سرد گرم سے بچا کر رکھنا۔ اسی کے ساتھ عورت کو مرد کی کھیتی بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن کھیتی صرف کاشت کاری کے لیے نہیں۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ زمین میں سے کسان اپنی فصل اگاتا ہے اسی طرح بیوی سے اولاد کی صورت میں اپنی فصل کی طرح ایک نسل پروان چڑھاتا ہے۔ لیکن اگر اس کو مزید گہرائی سے دیکھا جائے تو جس طرح کسان اپنی زمین کی دیکھ بھال کرتا ہے وقت پر اسے پانی لگاتا ہے اسے دیگر جانوروں سے محفوظ رکھتا ہے تاکہ فصل خراب نہ ہو جائے۔ بالکل اسی طرح عورت کی بھی حفاظت ضروری ہے۔ اس کی خوراک اور مناسب دیکھ بھال کی جائے۔ اس کو سرد و گرم حالات سے محفوظ رکھا جائے۔ لباس اچھا دیا جائے جو نا صرف ستر پوشی کر سکے بلکہ اس کی آرائش و زینت کا بھی موجب بن سکے۔ عربوں جیسی سماجی صورت حال جہاں عورت کو پست اور رذیل سمجھا جاتا تھا اس طرح کا اعلان ایک انقلاب لے کر لایا۔ قرآنِ مجید میں صاف ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو بیٹی کی پیدائش پر ناک منہ چڑھاتے تھے۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

> ”اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غصہ سے بھرا ہوا ہوتا ہے اور وہ خبر کو اسے دی جاتی ہے لوگوں سے چھپا پھرتا ہے۔ کیا اسے ذلت کے لیے رہنے دے یا پھر اسے مٹی میں گاڑ دے۔“(18)

اسلام نے جنس کے لحاظ سے مرد و عورت کو نا صرف سماجی لحاظ سے مساوی کیا بلکہ ان کے اعمال کا ثواب بھی مساوی ہے۔ جیسا کہ ”اسلام اور عورت“ میں مولانا محمد مظہر الدین صدیقی صاحب فرماتے ہیں:

> ”اسلام میں عورتوں کے حقوق اور ان کے مساوی رتبہ کا کتنا خیال تھا۔ اس کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ اس نے نا صرف آزاد عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کی بلکہ باندیوں اور لونڈیوں کو بھی شرف و عزت کا مقام عطا کیا۔“(19)

اگر عورت کو وہ تمام حقوق دیئے جائیں جو اسلام نے عورت کے لیے مقرر کیے ہیں تو بلاشبہ وہ معاشرے کی کامل و اکمل بن سکتی ہے۔ لیکن افسوس کہ ہندو معاشرہ ہو یا مسلم معاشرہ زمانے میں وہ عورت کو مقام نہیں دیا گیا جو مذہب نے انھیں فراہم کیا تھا۔ جس کی وہ مستحق تھی بلکہ بعض ایسے حقوق اسلام نے دیئے تھے وہ بھی ان کو نہیں دیئے گئے۔ ہندو مسلم معاشرے کی صورت حال کے متعلق مزید وضاحت کے لیے بین چندرار قم طراز ہیں:

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

''سماجی حیثیت اور زندگی کی قدروں میں ہندو مسلمان عورتوں کی حالت یکساں تھیں۔ سماجی اور معاشی اعتبار سے دونوں یکساں اور پر ملکیتاً مرد کے تابع تھیں۔ آخری بات یہ ہے بیشتر عورتیں تعلیم کے فیض سے محروم تھیں۔ اس پر مزید یہ تھا کہ عورتوں کو مرد کی ماتحتی قبول کرنے اور اسے اپنے لیے طرہ امتیاز سمجھنے کی تعلیم دی جاتی تھی۔''(20)

اسلام نے عورت کی سماجی حالت کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ عورتوں کے اعتراضات ایسے ہیں جس نے ان کے کرداروں کو امر کر دیا۔ تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ فرعون جیسے بادشاہ جو کہ ظالم و جابر تھا کلمہ حق کہنے والی اس کی بیوی آسیہ تھی۔ خانہ کعبہ کو سب سے پہلے حضرت ہاجرہ نے آباد کیا جب خلیل اللہ حضرت ابراہیم □ نے حضرت ہاجرہ کو بے سروسامانی کی حالت میں حضرت اسماعیل □ کے ساتھ جنگل و صحرا میں اکیلا چھوڑ دیا تھا تو اس وقت جب اسماعیل □ کو پانی کی طلب ہوتی ہے تو آپ نے صفا و مروہ میں سات بار سعی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس عمل کو پسند فرمایا اور تا قیامت تمام حج کرنے والوں کے لیے لازم و قرار دیا۔ یہ ایک تکریم ہے جو عورت کی فرمائی ہے۔ عورت کی اس مشقت کو دیکھتے ہوئے اللہ پاک نے زم زم کا چشمہ جاری فرمایا۔ جس عورت نے نبی کریم صلی اللہ کو نبوت کے پہلے روز ڈھارس بندھائی وہ عورت نبی کریم ﷺ کی بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ □ تھیں۔ نبی پاک ﷺ نے ازواج مطہرات کو شیشے سے تشبیہ فرمائی۔ فاطمہؓ کو نبی کریمؐ نے اپنے جگر کا ٹکڑا فرمایا ہے۔ بیٹی کی پیدائش پر جنت کی بشارت دی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عورت کی سماجی حیثیت پھر سے گرنے لگی۔ عورت مظلوم اور حق و انصاف کی طلب گار بنتی چلی گئی۔ اس پر مردوں کا جابرانہ تسلط قائم ہے۔ کبھی بازاروں کبھی میلوں میں بیچی جا رہی ہے۔ اس کو ہمیشہ سے گری ہوئی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ جنسی استحصال، زبردستی کی شادی، غیرت کے نام پر قتل آج بھی عورتوں کے بنیادی مسائل ہیں۔ عورت آج بھی محض تفریح و لذت کا سبب سمجھی جاتی ہیں۔ عورت کی اس بے چارگی کا سبب مردانہ تسلط کا سماج، قدیم روایتوں اور ضابطوں کے علاوہ ان پڑھ اور گھریلو عورتوں کا معاشی طور پر مرد کا مرہونِ منت ہونا ہے۔ عورتوں کے استحصال، جبر و استعداد کے خلاف ہر دور میں آواز اٹھائی گئی ہے۔ جب یورپ میں سولہویں صدی میں نظریات و افکار میں تبدیلی پیدا ہوئی تو عورتوں کی سماجی حالات کچھ سنبھلنے لگے۔ جیسے جیسے سائنسی طور پر اور صنعتی طور پر زمانے میں انقلاب برپا ہوا تو عورتوں کی سماجی حالت میں بھی مثبت تبدیلی کا رویہ پروان چڑھنے لگا۔

عیسائیت میں بھی عورت کا کچھ مقام تھا لیکن اہلِ یورپ نے اس سے روگردانی کی۔ عورت نے اپنے استحصال کے لیے جب بھی آواز اٹھائی اسے دبا دیا جاتا رہا۔ یورپ کی جب سولہویں اور سترھویں صدی عیسوی کی تہذب نظروں سے گزرتی ہے تو معلوم ہوتا ہے یورپ کی عورتوں کو بھی برصغیر کی عورتوں کی طرح حقوق حاصل تھے۔ ان کی سماجی حالت برصغیر کی سماجی حیثیت کی طرح تھی۔

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

گزرتے وقت کے ساتھ جہاں تہذیب و تمدن پروان چڑھنے لگی مرد و عورت کے درمیان عدم مساوات میں بھی کمی آنے لگی۔اس طرح اٹھارویں صدی عورتوں کے حقوق کے لیے ایک آواز بن کر روئے ارضی پر نمودار ہوتی ہے۔اس آواز کی سب سے پہلے بازگشت فرانس کی طرف سے سنی گئی۔سوز شلزم کی طرح"Feminism" بھی فرانس کی طرف سے ہوا۔انقلابِ فرانس 1779ء میں تقویت پکڑنے لگا۔مردوں کے استحصال کے خلاف نا صرف آواز بلند کی گئی۔آزادی اور برابری کے نعرے زور پکڑنے لگے۔عورتوں کو سماج میں شناخت ملنے لگی۔اس انقلاب میں عورتوں کی تحریک ایک نئے دور میں داخل ہو گئی۔شعور و آگاہی عورتوں میں جنم لینے لگی۔یہ تحریک یورپ فرانس سے ہوتے ہوئے دیگر ممالک میں بھی داخل ہونے لگی۔اسی برس امریکہ میں" کانونشن آف وومن رائٹس" منعقد کیا گیا۔1789ء میں امریکی پارلیمنٹ کی جانب سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ عورت کو نا صرف شہریت اور تعلیم سے نوازا جائے بلکہ اس کو ووٹ کا حق بھی تفویض کیا جائے۔لیکن ایک بار پھر فرانس نے اس مطالبہ کو مسترد کر دیا کہ عورت سے زیادہ مرد اس کا حق رکھتے ہیں،آہستہ آہستہ اس تحریک پر جمود طاری ہونے لگا۔ لیکن انیسویں صدی کے آغاز سے ہی ایک بار پھر مشنری ادارے عورت کے حقوق کے لیے سر گرم عمل ہو گئے۔"Feminism کا نظریہ پروان چڑھنے لگا۔یہ نظریہ پھیلتے ہوئے بر صغیر تک آ گیا۔اس تحریک میں اتنی وقعت آ گئی کہ اسنے زندگی کے تمام شعبہ ہائے کار میں عورت کا مقام و مرتبہ کی بازیافت شروع کر دی۔سماج میں جو عدم مساوات اور منفی تفریق تھی اس پر ایک سوالیہ نشان ثبت کر دیا۔عورت کی ذات کو تقویت دینے کے لیے تانیثی تحریک نے ایک سمت عطا کی۔اس کی جامعیت اور وسعت کا اندازہ لگانے سے قبل اس کی تعریف کو سمجھنا ضروری ہے تاکہ ذہن و قلوب کے اذہان خانوں میں کوئی ابہام باقی نہ رہے۔

Feminism کا اطلاق سب سے پہلے 1871ء میں میڈیکل سائنس میں مرد مریض کے جسم میں جب نسائی علامات پائی گئیں تو ان علامات کی وضاحت کے لیے لفظ"Feminization " استعمال کیا گیا۔1872ء میں الیگزینڈر ڈوماس نے اپنے ایک پمفلٹ میں مردانہ خصوصیات کی حامل"homme fem'1 کے لیے استعمال کیا۔Feminism دو لفظوں سے مل کر بنا ہے۔ایک فرانسیسی لفظ Feme ہے جس کے معنی عورت ہے اور"Esme جو کہ سیاسی یا سماجی تحریک پر دلالت کرتا ہے۔

عیسائیت کو ہم زیادہ تر زنانہ پن کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔اصل میں نسئیت سے مراد مردانہ پن سے زنانہ پن الگ کر کے دیکھنا ہے۔اس کے محرکات وہ مفروضے ہیں جو مرد اساس معاشرے میں مسلمات ہیں۔جہاں ایک نسوانی آزادی کا تعلق ہے تو انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے نصف اوّل میں اس نے باقاعدہ تحریک کی صورت اختیار کی۔تانیثیت کی اصلاح کو عموماً ڈھیلے ڈھالے انداز میں استعمال کرنے کی کوشش کی گئی۔مرد اساس معاشرے میں ایک وضع کردہ مفروضے کا نام تانیثیت ہے۔

مغرب میں نسائی جدوجہد تقریباً دو سو سال پرانی ہے۔نسائیت کی بنیادیں وضع کرنے میں انیسویں صدی میں جو تحریریں منظر عام پر آئیں ان میں دو صنعتوں کے نام قابل ذکر ہیں۔ایک کا نام ورجینا وولف ہے جنھوں نے پہلی نسائی آواز کو" A room of ones

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

own'' کے عنوان سے شائع کیا۔اس کتاب میں انھوں نے عورتوں کی شناخت کے لیے کچھ بنیادی باتیں لکھیں۔اس کے کچھ عرصے بعد دوسری انسانی آواز جو سیمون دی نوائر نے ''Second sex'' کے نام سے موسوم کیا ہے ۔جس کا ترجمہ اردو میں فہمیدہ ریاض نے ''عورت اور نفسیات'' کے نام سے کیا ہے اور دوسرا ترجمہ یاسر جواد نے کیا ہے لیکن سیمون دی بوائر کا لہجہ خاصا ترش تھا۔ان کے ساتھی اور شریکِ سفر ساتر نے اس لب و لہجہ کو زیادہ پسند نہیں کیا۔اس کتاب کے صفحہ اوّل پر سیمون دی بوائر لکھتی ہیں کہ ''عورت وہی نہیں ہوتی جیسی بنادی جاتی ہے۔''

تانیثی فکر ایک ایسا تناظر ہے جس کا براہِ راست تعلق تاریخ اور معاشرت سے نہیں ہے۔مرد اور عورت اپنے ذہن اور شعور کی ساخت کے اعتبار سے مختلف ہیں۔دونوں کا معاملہ شعور کی تشکیل کے مختلف نظریات سے ہے۔آج تانیثیت عورت اور مرد کو مخالف جنس کی حیثیت سے نہیں دیکھتی بلکہ یہ باور کراتی ہے کہ مرد اساس ذہن نے دنیا کو یہ باور کروایا ہے کہ مرد نے دنیا کو بارود کا ڈھیر پر بٹھادیا ہے۔لہٰذا عورت اپنی نرم خوئی اور شائستگی سے اس دنیا کو جنگی خطرات سے پُر امن بنا سکتی ہے۔جسمانی طور پر کمزور ہونے کے باوجود انسان اور انسانیت کو جنم دینے والی ہستی ہے۔سیمون دی بوائر نے اس بات کی وضاحت کچھ اس طرح کی ہے:

> ''آزاد عورت،ان باتوں سے چھٹکارا پا کر ہی وجود میں آئے گی،جو آرہی ہے۔یہ بتانا مشکل ہے کہ اس کے تخیلات کی یہ دنیا،مردوں کی دنیا سے کس قدر مختلف ہو گی۔۔۔کتنا فرق عورت کی اس دنیا میں مرد کی دنیا سے ہو گا مگر عورت کی دنیا کا یہ فرق عورتوں کی ترقی کے امکانات کو روشن کرے گا۔ایسے امکانات جنھیں مردوں نے دبا دیا تھا اور انسانیت کے لیے وہ گم ہو چکے تھے۔''(21)

تانیثیت کی تحریک جو کہ مغرب میں شروع ہوئی۔اس کا منشور عورتوں کو مساوی حقوق دینا تھا۔اس کی تین موجیں متعارف ہوئیں جن میں مختلف منشور متعارف کروائے جس کا مقصد عورتوں کو سماج میں شناخت دینا تھی۔اس کے علاوہ صنعتی تفریق ختم کر کے مساوی حقوق دینا تھا۔تاکہ عورتیں جبر و استعداد سے نجات پا کر خود کو پہچان سکیں۔پدر سری کا نظام پھر واپس لوٹ رہا تھا۔اس کے پسِ منظر میں بہت سے محرکات تھے جہاں عورتوں کے لسانی،سماجی قانونی حیثیت کا تعین کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ایک طرف آزادی کی جدوجہد تھی تو دوسری طرف یہ تحریکیں جنم لے رہی تھیں۔عورتوں کے حوصلے بلند ہو رہے تھے۔یہ تحریکیں نا صرف یورپ میں پھیل رہی تھیں بلکہ ان کی جڑیں برصغیر میں بھی پھوٹ رہی تھیں،جب کی نگاہیں افق کی گود سے ابھرنے والے سورج کی منتظر تھیں۔اس لہر یا موج کا آغاز کب اور کیسے ہوا اس پر طائرانہ نگاہ ڈالنے کی ضرورت ہے۔اس کی سب سے پہلے تین موجیں متعارف ہوئیں جنھوں نے درج ذیل مجوزہ حقوق عورتوں کو عطا کر دینے کی کوشش کی۔ان کی تفصیل کچھ یوں ہے:

پہلی موج 1800ء سے 1905ء تک:

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

انیسویں صدی اور بیسوی صدی کا دور رومانوی اندازِ فکر کا دور تھا جس کے زیرِ اثر عورتوں کو فطری اور عملی آزادی کا حق دینے کی کوشش کو ممکن بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔اس لہر میں یہ بتایا گیا کہ عورتوں کو مساوی حقوق دینے چاہیئے۔ان حقوق میں پہلا حق جائیداد میں سے حصہ تھا۔جس سے عورتیں عرصہ دراز سے محروم نہیں اور معاشی طور پر مردوں کی مرہونِ منت تھیں۔اس کے علاوہ عورتوں کو ووٹ ڈالنے کا حق بھی دیا گیا۔گویا عورت کو قاعدہ مرد کے متوازی کھڑا کیا گیا۔یہ ایک مثبت رجحان تھا۔اس کے ساتھ ساتھ عورتوں کو چار دیواری سے نکال کر دفاتر اور دیگر شعبۂ ہائے زندگی میں حصہ لینے کا بھی حق دیا گیا۔اس طرح نا صرف ان کو ملازمت کرنے کی اجازت دی گئی بلکہ ان کی اجرت مردوں کے مساوی کرنے پر بھی زور دیا۔یہ بھی عورتوں کا معاشی استحصال تھا کہ انھیں اجرت مزدوروں سے کم دی جاتی تھی۔حالانکہ ملازمت کا دورانیہ یکساں ہوتا ہے۔

دوسری موج یا لہر 1940ء تا 1998ء:

اس لہر کا عرصہ زیادہ نہیں ہے کیوں کہ اس تحریک کی جڑ میں کافی پھیل چکی تھیں۔اس میں عورتوں کے حقوق متعین کیے جا چکے تھے کہ عورتوں کو کتنا حق ملنا چاہیے۔یعنی ان کی یہ باور کرایا گیا تھا کہ بحیثیت بیوی گھریلو سطح پر ان کو کون کون سے حقوق ملنے چاہیئے۔

تیسری موج یا لہر 1999ء تا حال:

تانیثیت کی تحریک ایک نظریے کے تحت وجود میں آئی جس میں مرد اساس معاشرے میں عورت کی استحصالی کے خلاف آواز بلند کرنا تھی۔عورتیں عرصہ دراز سے مردوں کے ظلم و جبر اور استعداد کو برداشت کرنے پر مجبور تھیں۔یہ وہ معاشرہ تھا جس نے مرد کی بالادستی قائم رکھنے کے لیے ہر حربہ تھا۔آہستہ آہستہ اس تحریک نے یہ باور کروانا شروع کر دیا کہ عورتوں کو بجائے ان کے بنیادی حقوق دینے کی ضرورت ہے جس کی اب اشد ضرورت ہے۔سائنس اور ٹیکنالوجی کی جہاں اتنی ترقی ہو چکی ہے۔وہاں اس صنفی امتیاز کو بھی ختم ہونا چاہیئے۔عورتوں کو تعلیم سے آراستہ کر کے عملی میدان میں اترنے سے نا روکا جائے۔اس تحریک کی گونج آہستہ آہستہ ادب و شعر میں بھی سنائی دینے لگی۔یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ نسائی ادب کے بغیر کوئی ادب مکمل نہیں ہو سکتا۔تخلیق کاروں نے اپنی شناخت ادب میں بھی بنانا شروع کر دی۔گویا ہر آواز ایک منفرد لہجے میں تھی۔جس نے نسائی شعور کو بیدار کیا۔بیسویں صدی تک مصنفین اور شعراء نے عورتوں کی آواز کو اپنی قلم کے ذریعے ملک کے ہر کونے کونے تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔شاعری میں ادا جعفری سے لے کر پروین شاکر تک جب کہ ادب میں عصمت چغتائی سے شائستہ فاخری تک قلم کاروں کی ایک لمبی فہرست ہے۔دراصل تانیثیت ان افکار و نظریات کا جمہوری اظہار ہے جو خواتین کو سماج میں عزت و وقار کے ساتھ ان کے حقوق کی فراہمی کی آواز بلند کرتا ہے۔ان کی مساوات اور حمیت کے آواز بلند ہونے کے باوجود اکیسویں صدی کی عورت دوبارہ سے پستی کا شکار ہو رہی ہے۔بیسویں صدی میں جو تحریکات تھیں اکیسویں صدی میں ان کی نوعیت بدل چکی ہے۔تعلیم و شعور اور آگاہی کے باوجود موجودہ عورت ذہنی غلامی کا شکار ہے۔ملک میں بڑھتے ہوئے مسائل نے مرد و عورت کو ایک دوسرے سے دور کر

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

دیا ہے۔ معاشرتی دباؤ کے باعث بہت سے قبائل آج بھی ذات پات میں بٹ چکے ہیں۔ باہمی مفاہمت پیدا کرنے کے لیے اگر دو فریقین کے درمیان نکاح کا معاہدہ ہو جائے تو ذاتی انا کو کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ذات سے باہر شادی کرنا آج کے کئی پسماندہ علاقوں میں اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ جس کی وجہ سے ایک عورت کے لیے مسائل جنم لیتے ہیں۔ مرد اس بات کو عزت کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ جس سے کورٹ میرج کا رواج عام ہو رہا ہے۔ مرد قانون شکنی کرتے ہیں، عورت کورٹ میرج کی صورت میں محفوظ نہیں رہتی۔ غیرت کے نام پر سرِ عام قتل کر دی جاتی ہے۔ پڑھی لکھی خواتین جو مختلف اداروں اور دفاتر میں کام کرتی ہیں مخلوط ماحول ہونے کے باعث جنسی طور پر ہراساں کی جا رہی ہیں جس سے معاشی و معاشرتی طور پر عدم تحفظ کا شکار ہوتی جا رہی ہیں۔ غریبی اور جہالت بھی موجودہ دور میں عورت کے لیے سماج میں پریشانی کا سبب بن رہا ہے۔ لڑکے کم عمری میں کمانے لگ جاتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کے کھانے پینے اور لباس پر توجہ دی جاتی ہے جب کہ لڑکیوں کی تعلیم، کھانا پینا اور لباس نظر انداز کر دیا جاتا ہے جس سے ان کے اندر احساسِ کمتری جنم لیتا ہے۔ آج بھی یہ فلسفہ رائج ہے کہ خدمت عورت کی فطرت میں شامل ہے۔ عورت اس خدمت کے ہار کو خوشی سے قبول کر رہی ہے۔

کمسن گھریلو ملازمہ پر تشدد کے واقعات سے اخبارات بھرے پڑے ہیں۔ بچیوں کو اغوا کے بعد جنسی زیادتی کے بعد قتل کر دینا عام ہو چکا ہے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ کسی آئین کے تحت ابھی تک ان جرائم کی سزائیں تجویز نہیں کی جا سکیں۔ مرد کے لیے معاشرہ آج بھی رحم کی اپیل کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ ہمارے ہاں ان پابندیوں کے باوجود عورت اپنی ساکھ کو برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہے۔ مہاتما گاندھی نے ایک بار ایک بات کہی تھی جس کو ڈاکٹر عقیلہ جاوید نے اردو ناول میں تانیثیت میں درج کیا ہے:

> ''یہ آدمی کی عورت کے ساتھ ناانصافی ہے۔ اگر طاقت کا مطلب حیوانی طاقت ہے تو عورت آدمی کے مقابلے میں کم وحشی ہے۔ اگر طاقت کا مطلب اخلاقی قوت ہے تو اس کی صلاحیت آدمی کے مقابلے میں عورت میں کئی گناہ زیادہ ہے۔''(22)

موجودہ معاشرے میں عورت کا جذباتی طور پر استحصال اس کا نکاح بالجبر کر کے کیا جاتا ہے۔ بہت سی بے جوڑ شادیاں عورت کے ساتھ زیادتی کے زمرے میں آتی ہیں۔ طلاق کی شرح میں اضافہ بھی رفیقِ سفر کا عدم برداشت کا مظاہرہ ہے۔ معاشرے میں بڑھتا ہوا لالچ جہیز حاصل کرنے کے لیے اونچے خاندان میں رشتہ قائم کرنا عام ہو چکا ہے۔ بہت سے فرسودہ رسم و رواج اس حد تک پھیل چکے ہیں جن سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے۔ متوسط اور غریب گھرانوں کی لڑکیاں جہیز نا ہونے کی وجہ سے والدین کے گھر ہی بڑھاپے کی دہلیز تک پہنچ جاتی ہیں۔ جن سے ان کے اندر نفسیاتی تناؤ پیدا ہو رہا ہے۔ بیوہ اور مطلقہ سے نکاح سنتِ محمد ﷺ ہے لیکن ہمارے ہاں یہ بات کسی مرد کو بھی گوارا نہیں ہے۔ لہٰذا بہت سی خواتین جو بیوہ ہیں اور معاشی طور پر بہت پسماندہ ہیں وہ بچوں کی اور اپنی کفالت کے لیے بہت سے گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کرنے پر مجبور ہیں۔ گداگری کا پیشہ عورتوں میں بہت مقبول ہو چکا ہے۔ ہر گلی سڑک اور چوراہے پر عورت اپنے کمسن بچوں کے ساتھ

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

مانگتے ہوئے نظر آتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بچوں کو اکیلے چھوڑنے کا رسک نہیں لے سکتی۔اگر مطلقہ اور بیوہ سے نکاح کو عام کیا جائے تو بہت سے جنسی جرائم پر بھی قابو پانا ممکن ہو سکتا ہے۔حکومتِ وقت بیوہ اور یتیم کی کفالت کا مناسب سطح پر بندوبست کرے تو بھی معاشی طور پر عورت کی حیثیت مستحکم ہو سکتی ہے۔ناانصافی کی بات تو یہ ہے کہ گھریلو سطح پر عورت سے کام لیا جاتا ہے اور باہر وہ دفاتر اور دیگر اداروں کے کام بھی بخوبی سرانجام دے رہی ہے۔بڑھتی ہوئی ضروریات اور ایٹمی ترقی کے عورت پر معاشی دباؤ دگنا ہو چکا ہے جس کی وجہ سے اس کی اور اس کے بچوں کی صحت پر برے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

ترقی یافتہ ممالک میں اب یہ رجحان روز بروز بڑھ رہا ہے کہ عورت کو تنہا چھوڑ دیا جائے۔اس سے یہ تقاضا نہ کیا جائے کہ وہ گھریلو مشقت کے ساتھ ساتھ بیرونی امور میں بھی دلچسپی لے۔F.A.O نے تبصرہ کرتے ہوئے ایک رپورٹ پیش کی جس کی صورتِ حال انتہائی افسوس ناک ہے یعنی عورت نے تعلیم و تربیت اور زراعت میں عدم دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔یہ عجیب بات بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہی ہے کہ ایک طرف معاشرے میں دھوکہ، جوا، رشوت اور دوسری برائیاں بڑھ گئی ہیں تو دوسری طرف عام عورتوں کی حیثیت میں مطلق کوئی فرق نہیں آیا۔مردوں کی رائے، عورتوں کی کمتری اور محکومی کے متعلق جوں کی توں قائم رہی۔

آخر میں اس رائے کا اظہار کرنا چاہوں گا کہ مرد کا ذہن مرد سے زیادہ ملتا ہے۔قطعی طور پر درست نہیں ہے۔مرد کو معاشی طور پر اتنا خود کفیل ہونا چاہیئے کہ عورت پر کفالت کا بوجھ نہ ہو۔معاشی آزادی عورت کی رائے پر منحصر ہو۔اگر حالات سے مجبور ہو کر وہ نوکری کا سہارا لینا چاہے تو پھر اس کے لیے معلمی کا پیشہ مناسب ہے جہاں اس کی عصمت محفوظ ہوتی ہے۔مرد کے اندر حیوانیت تھوڑی سی ہوتی ہے جو اسے مرد بناتی ہے۔ارتقاء کے اس عمل میں وہ عورت سے بہت پیچھے ہے۔اگر وہ اپنے اندر اس حیوانیت کو ختم کر دے تو پھر وہ بھی عورت جیسا ہی ہو جائے گا۔رحم، قربانی، ایثار اور وفا عورت کا زیور ہے۔ایسی تضاداتِ فطرت سے نظامِ کائنات چل رہا ہے۔فرائیڈ کا یہ نظریہ کہ مرد مکمل ہستی ہے اور عورت آموختہ ہے رد کیا جا چکا ہے۔بلکہ ایک خاتون نے سائنسی بنیادوں پر اسے رد کیا ہے اور کہا ہے کہ عورت مکمل ہستی ہے اور مرد آموختہ ہے۔

اکیسویں صدی میں عورتوں کو یہ باور کروانے کی ضرورت عالمی سطح پر ہے کہ حقوق مانگنے سے نہیں ملتے بلکہ ان کو حاصل کیا جاتا ہے۔یہ اس وقت ممکن ہو سکتا ہے جب ہم باہم مل کر کوئی لائحہ عمل مرتب کریں گے۔

حوالہ جات

ا۔ مبارک علی، ڈاکٹر، تاریخ اور عورت، فکشن ہاؤس، لاہور، 2014ء، ص:10
2۔ ایضاً، ص:10

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615
Vol. 7 No.1 2024

3۔ ایضاً،ص:13
4۔ ایضاً،ص:19۔8
5۔ ایضاً،ص:29
6۔ مودودی،سید ابوالاعلیٰ،پردہ،اسلامک پبلی کیشنز،لاہور،1998ء،ص:19
7۔ Foaun in der Gerchi ohte،جلد دوم،1986ء،ص:108
8۔ مبارک علی،ڈاکٹر،تاریخ اور عورت،ص:44
9۔ پی ٹامس،Kama Kalpa or The Hindu Ritual of Love،بمبئی،1960ء،ص:2
10۔ مبارک علی،ڈاکٹر،تاریخ اور عورت،ص:39
11۔ ابوالفضیل،آئین اکبری،جلد سوم،اردو ترجمہ،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،س،ن،ص:296،295
12۔ ہجوری،علی بن عثمان،کشف المحجوب،اردو ترجمہ:مولانا عبدالروف فاروقی،لاہور،س ن،ص:534
13۔ کشور ناہید،بُری عورت کی کتھا،its urdu. Blog stops.com،ص:4
14۔ مبارک علی،ڈاکٹر،تاریخ اور عورت،ص:22
15۔ سیمون دی بوار،تلخیص و ترجمہ:کشور ناہید،عورت ایک نفسیاتی مطالعہ،الائیڈ پریس،لاہور،1982ء،ص:14
16۔ عقیل رضوی،سید محمد،تانیثیت:ایک تنقیدی تھیوری،مرتب:النور پاشا،عرسیہ پبلی کیشنز،دہلی،ص:22
17۔ سورۃ البقرہ:23۔2
18۔ سورۃ النحل:58
19۔ صدیقی،مولانا مظہر الدین،اسلام اور عورت،بہاالہ آبادی،دہلی،1997ء،ص:5
20۔ بین چندرا،جدید ہندوستان،این پی آر ٹی،اردو ایڈیشن،دہلی،1997ء،ص:15
21۔ عقیل رضوی،سید محمد،تانیثیت:ایک تنقیدی تھیوری،مرتب:انور پاشا،ص:18
22۔ عقیلہ جاوید،ڈاکٹر،اردو ناول میں تانیثیت،یوسف مرید پرینٹنگ پریس،ملتان،2005ء،ص:56